قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بلغوا عنی ولو آیۃ

رواہ البخاری

سلسلہ

التبلیغ

کا

گیارہواں وعظ مسمّٰی بہ

التعمیم لتعلیم القرآن الکریم

منجملہ ارشادات حضرت قبلہ وکعبہ ام مرشدی ومولائی حکیم الامت

شاہ محمد اشرف علی صاحب دام ظلہم

حسب فرمائش حاجی محمد یوسف صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ

بہ سعی محمد عثمان مدیر رسالہ الہادی دہلی

(مطبعہ جید پریس دہلی)

تو کچھ کچھ خیال پیدا ہو گیا تھا اور اس جلسہ کو دیکھکر گو مجمع قلیل ہی ہے ارادہ ہو گیا کیونکہ مخلصین گو قلیل ہی ہوں وہ کثیر کے حکم میں ہیں چونکہ اسوقت مدرسہ کے طلبہ کی دستار بندی کا جلسہ ہے اسلئے مناسب یہ ہے کہ تعلیم و تعلم قرآن کے متعلق کچھ بیان کیا جائے جو حدیث مینے پڑھی ہے اسمیں حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے تعلیم و تعلم قرآن کی ایک بڑی فضیلت بیان فرمائی ہے حضور کا ارشاد ہے خیرکم من تعلم القرآن وعلمہ یعنے تم میں بہتر اور افضل وہ لوگ ہین جو قرآن کو سیکھتے اور سکھاتے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ قرآن کی مشغولی بہت بڑی طاعت ہے اور جو لوگ اسکی تعلیم و تعلم مین مشغول ہیں وہ سب سے بہتر ہیں اب دیکھنا یہ ہے کہ ہم لوگ اس حدیث پر کہانتک عمل کرتے ہیں آیا ہم کو قرآن کی تعلیم و تعلم پر ایسی ہی توجہ ہے جسکو یہ حدیث مقتضی ہے یا ایسی توجہ نہیں ہے۔ مجھے افسوس کے ساتھ شکایت کرنا پڑتی ہے کہ ہم لوگونکو قرآن کیطرف ایسی توجہ نہیں ہے یعنی ہمارا برتاؤ اہل قرآن کیساتھ ویسا نہیں ہے جیسا اس حدیث کے بعد ہونا چاہیئے یہ اعتقاد تو مسلمانوں کا ضرور ہوگا کہ اہل قرآن سب سے افضل ہیں کیونکہ حدیث میں انکو افضل فرمایا گیا ہے اور اگر کسی کا یہ اعتقاد بھی نہ ہو تو اُسکے دل میں اسلام ہی نہیں مگر عملاً ہم انکو اپنے سے افضل تو کیا برابر بھی نہیں سمجھتے چنانچہ مشاہدہ ہے کہ قرآن پڑھنے پڑھانیوالوں کی لوگ کچھ بھی عظمت نہیں کرتے لوگ انکو اسلئے حقیر سمجھتے ہیں کہ وہ دنیا کے کسی کام کے نہیں رہتے حالانکہ یہی وجہ انکی فضیلت کو مقتضی ہے بھلا اس سے زیادہ اور کیا فضیلت ہوگی کہ یہ لوگ محض خدا کے کام میں لگے ہوئے ہیں اور دنیا جو خدا کے نزدیک کچھ قدر کی چیز نہیں ہے یہ اسکے کام کے نہیں تو جس بات کو تم سبب تحقیر سمجھتے ہو وہی انکی عزت کا سبب ہے مولانا فرماتے ہیں ؎

تا بدانی ہر کرا ایزد بخواند — از ہمہ کار جہان بیکار ماند

یعنی جسکو خدا تعالے اپنے کام میں لگا لیتے ہیں وہ دوسرے کام کا نہیں رہا کرتا۔ لوگ کہتے ہیں کہ یہ قرآن پڑھنے پڑھانیوالے دیوانے ہیں کہ سارے کام چھوڑ کر ہر وقت قرآن ہی کی تلاوت میں رہتے ہیں مگر انکے واسطے یہی دیوانگی سبب فخر ہے۔ خبر بھی ہے یہ کس کے دیوانے ہیں ؎

ما اگر قلاشِ وگر دیوانہ ایم — مست آن ساقی و آن پیمانہ ایم

یہ خدا کے دیوانے ہیں اور حقیقت میں یہی لوگ عاقل ہین کہ آخرت کی ترقی مین مشغول ہیں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

التعمیم لتعلیم القرآن الکریم

اَیْنَ	کہاں ہوا	پانی پت مدرسہ محمدیہ اشرفیہ
مَتٰی	کب ہوا	۲۹ ذی الحجہ ۱۳۴۰ھ پنجشنبہ بعد عصر
کَمْ	کتنا ہوا	آدھ گھنٹہ
کَیْفَ	کسطرح ہوا	کھڑے ہوکر
لِمَ	کیوں ہوا	بتقریب جلسہ دستار بندی حفاظ مدرسہ مذکورہ
مَاذَا	کیا مضمون تھا	قرآن کی فضیلت اور اسکے حفظ کی ضرورت اور مدرسین قرآن کی اعانت پر توجہ
من ای شان	کس طبقہ کو زیادہ مفید تھا	عموماً سب مسلمانوں کو اور خصوصاً حفاظ قرآن کو
من ضبط	کسنے ضبط کیا	احقر ظفر احمد تھانوی غفراللہ لہ ولوالدیہ
المستمعون	سامعین کی تخمینی تعداد	تقریبًا ۱۰۰
الاشتات	متفرقات	تعب سفر وخصوصیت مقام کی وجہ سے بیان کا قصد نہ تھا عین وقت پر مختصر بیان فرما دیا

الحمد للہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ ونؤمن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللہ من شرور
انفسنا ومن سیئات اعمالنا من یہدہ اللہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ ونشہد
ان لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ ونشہد ان سیدنا ومولانا محمدًا عبدہ ورسولہ
صلی اللہ علیہ وعلی الہ واصحابہ وبارک وسلم **اما بعد** فاعوذ باللہ من
الشیطان الرجیم بسم اللہ الرحمن الرحیم ۔ قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم
اخرکم من تعلم القرآن وعلمہ۔ ہرچند کہ پہلے بیان کے متعلق عزم تو کیا معنے بلکہ
عزم عدم تھا یعنی بیان کا تو کیا قصد ہوتا یہ بات طے ہو چکی تھی کہ بیان نہیں کرونگا کیونکہ اول
توسفر کا تعب تھا دوسرے طبیعت میں بشاشت بھی نہ تھی اگر طبیعت بشاش ہو تو تعب سفر
مجھکو بیان سے مانع نہیں ہوتا مگر یہاں پہونچکر کچھ طبیعت میں بشاشت وانبساط بھی نہ ہوا اسلئے
یہ عزم کرلیا تھا کہ بیان نہ کرونگا چنانچہ اسکی اطلاع بھی کردی تھی لیکن جب اس جلسہ کی گفتگو ہوئی

آوے اسکی تو تعظیم و تکریم کرتے ہیں اور حاجی بننے کو بڑی بات سمجھتے ہین اور جو لوگ قرآن کی تلاوت اور اسکی تعلیم وغیرہ مین مشغول ہیں انکی عظمت حاجی کے برابر بھی نہیں کرتے زیادہ تو کیا کرتے اسیطرح جو لڑکا حفظ قرآن سے فارغ ہو اُسکو حج کرنیوالے کے برابر نہیں سمجھتے۔ حالانکہ قرآن کا درجہ بیت اللہ سے یقیناً بڑھا ہوا ہے۔ حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تلاوت قرآن سے بجز جنابت کے کوئی امر مانع نہوتا تھا اس سے معلوم ہوا کہ حضور کو تلاوت قرآن کا بہت اہتمام تھا۔ حالانکہ آپ اشرف المخلوقات ہیں پس جس چیز کا آپکو اتنا اہتمام ہو اسکی عظمت کا کیا ٹھکانا ہے گو یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے کہ افضل حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں یا قرآن (یعنی کلام لفظی) اسوقت میں اس مسئلہ کی تفصیل نہیں کرنا چاہتا مگر احادیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کلام لفظی کا بھی وہی ادب کرتے تھے جو کلام نفسی کا ادب ہے یعنی اسکے ساتھ بھی آپکا وہی برتاؤ تھا جو کلام نفسی کے ساتھ ہوتا۔ خیر قرآن مجید و حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے تفاضل میں خواہ کچھ کلام ہو مگر اسمین شک نہیں کہ بیت اللہ سے ضرور افضل ہے اور اس سے خدا کی رحمت کا اندازہ ہوتا ہے کہ خدا تعالے نے قرآن عطا فرما کر ہم پر کتنا بڑا احسان و فضل فرمایا ہے کہ بیت اللہ جسکے اشتیاق مین ہم ہمیشہ رہتے ہیں اس سے بھی افضل چیز ہمارے گھر میں ہر وقت رہتی ہے مگر افسوس ہے کہ ہم کو اس نعمت کی قدر نہیں لوگونکے ذہن میں قرآن کی عظمت کا درجہ ابھی تک نہیں آیا ورنہ وہ قرآن کو گھر میں دیکھکر ایسے خوش ہوا کرتے جیسے کعبہ کسی کے گھر میں آگیا (بلکہ اس سے بھی زیادہ) اب ہماری یہ حالت ہے کہ گھر مین قرآن رکھا ہوا ہے کسی کے دلپر جون بھی نہیں رینگتی۔ کہ یہان کیا چیز رکھی ہوئی ہے کبھی اسکی طرف پیر کر دیتے ہین کبھی اوسکے اُوپر کوئی چیز رکھدیتے ہیں صاحبو! خدا سے ڈرو۔ بتلاؤ اگر تم بیت اللہ کو دیکھ لو تو کیا اُسکی طرف پیر کر سکتے ہو ہرگز ایسی ہمت نہو گی پھر کیا قرآن کو کعبہ سے بھی کم سمجھ لیا ہے بعضے لوگونکو مہینے گذر جاتے ہیں کہ قرآن کھولکر ایکدن بھی نہیں پڑھتے (یہ شخص ایسا ہی محروم القسمت ہے جیسے کوئی مکہ میں جاکر نہ بیت اللہ کو دیکھے نہ اسکا طواف کرے) مین کہتا ہوں کہ اگر بالفرض تلاوت قرآن کی بھی کسی کو فرصت نہ ہو تو وہ روزانہ قرآن کو کھولکر عظمت و محبت کے ساتھ ایک نظر ہی اُسکو دیکھ لیا کرے اور پھر عظمت و محبت سے بند کر کے رکھدیا کرے تو امید ہے کہ انشاءاللہ یہ شخص بھی برکات قرآن سے

اور جو لوگ انکو پاگل کہتے ہین۔ حقیقت مین وہ خود پاگل ہین کہ آخرت کی نعمتونکو چھوڑ کر ہمہ تن دُنیا پر متوجہ ہین ؎

اوست دیوانہ کہ دیوانہ نہ شد　　مرعس را دید و در خانہ نہ شد

عارف شیرازی فرماتے ہین کہ ؎

مبین حقیر گدایان دلق راکین قوم　　شہاں بے کمر و خسرواں بے کلمہ اند

اور اہل قرآن کی عظمت کرنے کا راز یہ ہے کہ لوگ جنکو اہل اللہ سمجھتے ہیں اُنہی کی قدر کرتے ہین چنانچہ درویشونکی بہت قدر ہے گو وہ لنگوٹہ ہی باندہے ہوئے ہوں کیونکہ انکو اللہ والا سمجہا جاتا ہے اور ان قرآن والونکو اللہ والا ہی نہیں سمجھتے اور یہ بہت بڑی غلطی ہے کیونکہ قرآن کا تعلق خدا تعالے سے ایسا ہی کہ اتنا تعلق کسی چیز کو خدا تعالیٰ سے نہیں ہر چیز کا تعلق خدا سے بواسطہ ہے اور قرآن کا تعلق بلا واسطہ ہے کیونکہ قرآن کلام اللہ ہے اور کلام کو متکلم سے بلا واسطہ تعلق ہوتا ہے گو الفاظ قرآنیہ کلام لفظی کی قسم سے ہیں مگر کلام نفسی کے ساتھ اسکو بہت قرب اور تعلق ہے اور ایسا تعلق ہے کہ اسکی تفصیل اسوقت نہیں ہوسکتی۔ اور اس تعلق کی وجہ سے اس کلام لفظی کا بھی قریب قریب وہی حکم ہے ادب و تعظیم مین جو کلام نفسی کا ہے حضور صلے اللہ علیہ وسلم اس کلام لفظی کا اتنا ادب کرتے تھے کہ کسی چیز کا اتنا ادب نہ کرتے تھے۔ بیت اللہ کو بلا طہارت کے ہاتھ لگانا جائز ہے گو ادب کے خلاف ہو مگر قرآن کی یہ شان ہے لا یمسہ الا المطھرون کہ اسکو بدون وضو کے چھونا جائز نہیں اس فرق ہی سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ بیت اللہ کا درجہ کلام اللہ کے بعد ہے اور عقل کا بھی یہی مقتضا ہے کیونکہ خدا تعالیٰ مکان سے منزہ ہیں پس بیت اللہ کو خدا کا گھر محض تشریفاً کہدیا جاتا ہے جیسا کہ جس چیز کا مالک کوئی آدمی نہ ہو اور وہ خدا کے نام پر وقف ہو اُسکو بھی خدا تعالے کی طرف تشریفاً منسوب کر دیتے ہیں چنانچہ وقف کی زمین کو بھی خدا کی زمین اسی بنا پر کہدیتے ہین پس بیت اللہ کی نسبت خدا کی طرف محض تشریفی ہے اور کلام اللہ کی نسبت محض تشریفی نہیں ہے بلکہ تعلق خاص کی بنا پر ہے کہ اس کلام کو کلام نفسی سے تعلق ہے اور کلام نفسی خدا تعالیٰ کی صفت ہے اور صفت کو موصوف سے جو کچھ علاقہ ہوتا ہے ظاہر ہے مگر اسپر بھی ہماری حالت یہ ہے کہ اگر کوئی شخص حج کرکے

تم خود اپنے ملازم یا اپنے لڑکے کے ہاتھ اُنکے لئے کھانا بھجواؤ۔ جب گرمی جاڑے میں اولاد
کے واسطے کپڑے بناؤ ایک دو جوڑہ طلبہ کیواسطے بھی بنا دو۔ پہلے زمانہ مین اشاعت قرآن کی زیادہ
وجہ یہ تھی کہ سلاطین اور عامہ مسلمین انکی خدمتیں کافی کرتے تھے جس سے اُن میں حرص وطمع کا
مادہ پیدا نہ ہوتا تھا کیونکہ بیٹھے بٹھلائے بے مانگے انکو سب کچھ ملجاتا تھا اور عزت کے ساتھ ملتا
تھا حقیر کرکے کوئی نہ دیتا تھا اسی لئے پہلے لوگ بلا اجرت پڑھتے پڑھاتے اور تراویح مفت سُناتے
تھے ایک مرتبہ عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ نے دیکھا کہ طالبعلموں کی حالت زیادہ خستہ ہے انکو کوئی نہیں
پوچھتا تو انکو اس سے صدمہ ہوا اب دیکھئے اُنہوں نے اسکا کیا اچھا علاج کیا کہ دربار میں وزیر اعظم
جسوقت آیا تو آپ نے اُس سے سوال کیا کہ تم نماز پڑھتے ہو عرض کیا جی ہاں پڑھتا ہوں۔ پوچھا
بتلاؤ نماز میں کتنے واجبات اور کتنی سنتیں اور کتنے مستحبات ہیں وزیر سوچنے لگا کیونکہ مسائل کسکو
یاد تھے عالمگیر بہت خفا ہوئے کہ تم خاک نماز پڑھتے ہوگے جب تم کو مسائل بھی یاد نہیں تم لوگونسے
اتنا نہیں ہوتا کہ ایک طالب علم سے نماز روزہ کے مسائل بھی پڑھ لیا کرو رات دن دنیا کمانے ہی کی
فکر رہتی ہے دین کا کچھ بھی خیال نہیں تم کیسے مسلمان ہو تم کو شرم نہیں آتی۔ بس بادشاہ کی تو
ایک بات ہوئی اور سارے دربار کے کان ہوگئے وہاں سے اُٹھکر جو یہ لوگ اپنے گھر پہنچے تو سب نے
پہلے مدرسہ میں آدمی بھیجا کہ فلان نواب صاحب کو ایک طالبعلم کیضرورت ہے جو انکو دو گھنٹہ دینیات
کی تعلیم دیدیا کرے وزیر سے لیکر ادنیٰ درباری تک سبکو مسائل کی فکر ہوگئی اور معقول تنخواہوں
پر ایک ایک طالب علم ہر شخص کے یہان مقرر ہوگیا اب کیا تھا جدہر دیکھو طلبہ کی پوچھ ہورہی ہے
تو اس زمانہ میں اہل علم کو سوال کی نوبت نہ آتی تھی لوگ خود ہی انکی خدمت کرتے تھے جس سے
انمین حرص کا مادہ پیدا نہ ہوتا تھا اور آجکل ان لوگونکی خدمت خود کوئی نہیں کرتا اور ضرورت و احتیاط
بُری بلا ہے کم وبیش ضرورتیں سب کے ساتھ لگی ہوئی ہیں طلبہ کو بھی ضرورتیں پیش آتی ہیں اور
علم کے ساتھ وہ دُنیا کمانے میں مشغول ہو نہیں سکتے اسلئے خواہ مخواہ انکی نظر مخلوق کے اموال پر جاتی
ہے اور اُنمین سوال کا مادہ پیدا ہوتا ہے اور یہی راز ہے اہل علم کی تحقیر کا۔ صاحبو! درویشوں کی
جو زیادہ وقعت ہے اسکی وجہ یہ ہے کہ وہ دنیا کو نظر اٹھا کر نہیں دیکھتے نہ کسی سے سوال کرتے ہیں
اگر اہل علم بھی ایسے ہی مستغنی ہو جائیں تو پھر قوم میں اُنکی یہ تحقیر نہ ہو ہمیں تھوڑا سا قصور ہمارا بھی

محروم نہ رہیگا لان النظر الی القرآن ایضاً عبادۃ ۱۲ جامع اجب قرآن ہی کیساتھ ہمارا یہ برتاؤ ہی
اور اسی کی عظمت ہمارے دلون مین ویسی نہیں جیسی ہونی چاہیئے تو پھر اہل قرآن کی عظمت کہاں سے
ہو۔ انکو ہم اپنے سے افضل توکیا سمجھتے بلکہ حقیر سمجھتے ہیں بہلا اگر کوئی درویش بزرگ تمہارے
پلنگ پر پائینتی کیطرف آکر بیٹھ جائے توکیا تم سے یہ ہو سکتا ہی کہ تم سرہانے چڑہے بیٹھے رہو
ہرگز نہیں اول توتم انکو دور سے ہی دیکھکر کہڑے ہو جاؤگے اور انکے سرہانے تو ہرگز نہ بیٹھوگے
کیونکہ تم انکو اپنے سے افضل سمجھتے ہو پس اگر اس حدیث کے مطابق تمہارا یہ اعتقاد ہو کہ حافظ قرآن
بھی ہم سے افضل ہے تو اسکی کیا وجہ ہو کہ انکا ادب ایسا نہیں کیا جاتا اور اگر ادب نکیا تھا تو انکو حقیر
بھی نہ سمجھا ہوتا اب توغضب یہ ہے کہ جو شخص قرآن کے حفظ میں دو تین سال صرف کرے لوگ
اسکو وقت کا ضائع کرنا اور بیکار رہنا سمجھتے ہیں افسوس ہماری عقلوں پر کیسا پردہ پڑگیا ہی۔ مگر
الحمد للہ خدا کا شکر ہے کہ اس شہر میں تو ایسا نہیں ہی کہ حفظ قرآن کو فضول سمجھتے ہوں یہاں
بہ نسبت اور شہروں کے پھر قرآن کا بہت چرچا ہے اور حفاظ کی قدر بھی ہو گو جیسی قدر ہونی چاہیئے
ویسی یہاں بھی نہیں مگر پھر بھی غنیمت ہے۔ صاحبو! اس حدیث سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ
قرآن میں مشغول رہنے والے سب سے افضل ہیں اور ظاہر ہو کہ عامل کی فضیلت فرع ہو فضیلت عمل
کی اس سے معلوم ہوا کہ تلاوت قرآن سے زیادہ کوئی عمل افضل نہین پس قرآن کی تعظیم ضروری
ہے جسکے مختلف شعبے ہیں منجملہ تعظیم قرآن کے شعبوں کے ایک شعبہ یہ ہو کہ اسکی اشاعت کا اہتمام کیا جائے
یہ اصل تعظیم ہو کتاب کی تعظیم صرف یہی کافی نہیں کہ اسکی عمدہ جلد بنواکر الماری میں رکھدیا جائے
بلکہ اسکی اصل تعظیم یہ ہو کہ اسکی تعلیم و قرآءت کا اہتمام کیا جائے جس کتاب کا جتنا چرچا ہوگا اتنی ہی
اسکی عظمت ظاہر ہوگی اور اہتمام اشاعت کی صورت یہ ہو کہ اپنے اپنے بچونکو قرآن حفظ کراؤ یا کم ازکم
ناظرہ ہی پڑھاؤ اور جو مدارس اسکی اشاعت کیلئے قائم ہیں انکی امداد کرو۔ لوگونکو ایسے مدارس کے
مہتممین کا شکریہ ادا کرنا چاہیئے کہ انہوں نے اس فرض کفایہ سے سب کو سبکدوش کر رکھا ہو
نیز اشاعت قرآن کا ایک جزو یہ بھی ہو کہ جو طلبہ پردیسی تعلیم و تعلم قرآن مین مشغول ہیں انکے
کھانے کپڑے کا اپنی اولاد کے برابر فکر کرو جو لوگ صاحب وسعت ہیں وہ ایک طالبعلم کا کھانا
بھیجدیا کریں طلبہ سے یہ مت کہو کہ وہ تمہارے گھر پر آکر کھانا لیا کریں اسمیں انکی تحقیر ہے بلکہ

حالت میں دیکھکر تاسفاً یہ شعر پڑھا ؎

آنکہ شیراں را کند روبہ مزاج   احتیاج است احتیاج است احتیاج

شاہزادے کو سخت ناگوار ہوا اور فوراً ہی برجستہ جواب دیا ؎

شیر نرکے می شود روبہ مزاج   می زند بر کفش خود صد احتیاج

یہ کہکر اسی وقت واپس ہوگیا ایک منٹ بھی نہ ٹھیرا رئیس نے بڑی ہی خوشامد کی کہ میں نے تو تاسفاً کہا تہا تحقیراً نہ کہا تہا اس نے ایک نہیں سُنی اور کہا کہ تم ہرگز اس قابل نہیں ہو کہ کوئی شریف آدمی تمہارے پاس ٹھیرے۔ میں ہرگز نہ ٹھیرونگا یہ کہکر چلتا ہوا۔ جب آدمی میں استغنار کی شان پیدا ہو جاتی ہے تو پھر وہ کسی بڑی سے بڑی مصیبت میں بھی سوال کرنا گوارا نہیں کرتا۔ عبدالرحمن خانصاحب مرحوم مالک مطبع نظامی حکایت کرتے تھے کہ ایک حافظ صاحب لکھنؤ کے جو کہ قاری بھی تھے حج کرنے گئے تھے واپسی میں جب وہ جہاز سے اُتر کر وطن کو چلے۔ تو راستہ مین لٹ گئے ایک پیسہ بھی پاس نرہا مگر اللہ کے بندے نے کسی سے بھی سوال نہ کیا۔ پیدل ہی چل پڑے راستہ میں کسی بستی میں راحت لینے کے خیال سے ٹھیرے اُسوقت انپر کئی وقت کا فاقہ تھا ایک مسجد میں ٹھیر گئے اور کسی سے اپنی حاجت کا ذکر نہیں کیا قرآن بہت عمدہ پڑھتے تھے لوگوں نے قرآن سُنا معتقد ہوگئے اس بستی مین کوئی رئیس تھے لوگوں نے اون تک بھی خبر پہونچائی کہ ایک قاری صاحب یہاں آئے ہوئے ہین بہت عمدہ قرآن پڑھتے ہیں۔ مگر بیچارے خستہ حال ہیں۔ راستہ میں کہیں لٹ گئے ہین پہلے زمانہ میں روسار کو علم کی قدر تھی۔ اور اہل علم کی خدمت بھی بہت کیا کرتے تھے وہ رئیس قاری صاحب کے پاس مسجد میں مع سامان خدمت نقد و پارچہ وغیرہ حاضر ہوئے اور قرآن سننے کی درخواست کی اولاً انھوں نے عذر فرمایا کہ میں جب نماز میں پڑہونگا سُن لیجئے اونھوں نے زیادہ اصرار کیا تو انھون نے کچھ پڑھ دیا۔ قرآن سُنکر عجب حالت ہوگئی اور اوسوقت ایک خوان میں وہی جوڑے اور اشرفیان جو کہ لائے تھے رکھکر پیش کیں۔ قاری صاحب نے فرمایا کہ اسوقت جتنی چیزیں آپ نے پیش کی ہیں مجھے ان سب کی ضرورت ہے مگر چونکہ آپ نے قرآن سُنکر یہ ہدیہ پیش کیا ہے اسلئے مین اسکو قبول نہیں کر سکتا۔ یہ تو قرآن کا بیچنا ہوا۔ اور حق تعالےٰ فرماتے ہیں لا تشتروا باٰیاتی ثمنا قلیلا ۰ اتنا اگر

ہے کہ اہل اللہ کی طرح ہم بھی دنیا سے کیوں نہ مستغنی ہوگئے صاحبو قرآن سے بڑھکر اور کیا دولت ہوگی
پھر حیرت ہی کہ جسکے پاس قرآن ہو وہ بھی مخلوق سے مستغنی نہ ہو۔ مین تو اہل علم کو ہمیشہ یہی وصیت
کرتا ہوں کہ تم ہرگز لوگوں سے روپیہ کا سوال نہ کرو خدا پر توکل کرو انشاء اللہ یہ سب جھک
مارکر تم کو خود لا لاکر دینگے مگر جہاں اسمیں اہل علم کا قصور ہے قوم کا بھی قصور ہی۔ مسلمانونکو چاہیئے
تھا کہ ان لوگونکی خدمت ازخود کرتے اور اس مادہ کو انکے اندر پیدا ہونے ہی نہ دیتے۔ اسکی
نوبت ہی کیوں آنے دیتے ہیں کہ انکو سوال کا موقع ہو پہلے زمانہ میں لوگونکو اسکا بہت خیال
تھا کہ تربیت جسمانی کے ساتھ وہ اپنی اولاد کی روحانی تربیت بھی کرتے تھے ایک بزرگ نے
اپنے بچہ کو شروع ہی سے توکل کی عملی تعلیم اسطرح دی تھی کہ اسکی ماں سے کہدیا کہ اسکو روٹی کپڑا
تم خود مت دیا کرو جب یہ کھانا مانگے اس سے کہدو کہ بھائی خدا سے مانگو ہم بھی اُسی سے مانگتے
ہیں اور ایک الماری مقرر کردی تھی جسمیں کھانا پہلے سے رکھدیا جاتا تھا اور لڑکے سے کہدیا
کہ وہاں جاکر خدا سے دعا کرو پھر الماری کھولو جو کچھ تیری قسمت مین ہوگا اسمیں سے ملجائیگا بچہ وہاں جاتا اور دعا کرتا
اور روزانہ وہاں سے کھانا لیلیتا۔ ایک دن اُسکی ماں کھانا رکہنا بھول گئی۔ بچہ اپنے معمول کے
موافق الماری پر گیا اور خدا سے دُعا کی کہ اے اللہ مجھے کھانا دیدے پھر الماری کو کھولا
تو وہاں کھانا موجود تہا اُسکی ماں نے یہ واقعہ اُن بزرگ سے بیان کیا انھوں نے سجدۂ شکر
کیا اور بیوی سے کہا کہ بس اب تم وہاں کھانا مت رکہا کرو اب غیب سے امداد شروع ہوگئی۔
اور یہ بچہ کھانے پینے کی فکر سے چھوٹ گیا۔ دنیا میں بڑی فکر اسی کی ہوتی ہی اگر اسی طرح
ہم بھی طلبہ کی روحانی تربیت کریں اور ازخود انکی خدمت کرتے رہا کریں تو انہیں استغناء کی شان
پیدا ہوجائیگی پھر انکا وہ مذاق ہوجائیگا جو ایک شاہزادے کا مذاق تھا جسکا قصہ میرے ایک
ماموں صاحب بیان کرتے تھے کہ ایک فارس کا شہزادہ زمانہ کی گردش سے غربت میں گرفتار
ہوکر ہندوستان آگیا تھا۔ ایک ہندوستانی رئیس سے اتفاقاً لکھنو کی سرائے میں ملاقات ہوگئی
شہزادہ نے اس رئیس کی دعوت کی اوس نے شہزادہ سے درخواست کی کہ اگر آپ میری ریاست
میں آویں تو میں آپکی کچھ خدمت کروں۔ کبھی موقعہ پر پھرتے پھراتے اوس درخواست کو یاد
کرکے نہایت خستہ حالت میں اوسکے پاس جا پہونچا۔ اوس رئیس نے اس شہزادے کو اس خستہ

مسلمانوں کے ذمہ فرض ہے تو یہ سب مسلمانون کا کام ہے جو لوگ علم دین کی تعلیم وتعلم میں
لگے ہوئے ہیں وہ سب مسلمانوں کی طرف سے فرض کفایہ کو ادا کر رہے ہیں اگر یہ لوگ پڑھنا
پڑھانا چھوڑ دیں تو پھر یہ کام ہر شخص پر فرض ہو جائے اور اگر کسی نے بھی اسکو انجام نہ دیا تو سب
گنہگار ہونگے پس یہ تو ثابت ہوگیا۔ کہ جو لوگ علم دین مین مشغول ہیں وہ آپ ہی سے کام
میں لگے ہوئے ہیں اور تجربہ ومشاہدہ سے یہ بات ثابت ہے کہ علم دین کے ساتھ کسب معاش
کا کام نہیں ہوسکتا اور اگر کوئی ایسا کرنا بھی چاہے تو اسکو علم دین کامل طور پر نہ حاصل ہوگا۔
ایک آدمی ایک زمانہ میں دو ایسے کام نہیں کرسکتا جنکے لئے پورے انہماک کی ضرورت ہے
اس مقدمہ کے ساتھ اب دوسرا مقدمہ یہ ملائیے کہ شریعت کا قانون ہے کہ جو شخص کسی کے
کام مین محبوس ہو اُسکا نفقہ اُسی کے ذمہ ہے جسکے کام میں وہ محبوس ہے۔ چنانچہ بیوی
کا نفقہ شوہر کے ذمہ بوجہ حبس ہی کے ہے۔ قاضی کی تنخواہ سب مسلمانونکے ذمہ اسلیئے
ہے کہ وہ ان کے کام میں محبوس ہے۔ بیت المال سے ملنا گویا سب مسلمانوں کے
پاس سے ملنا ہے ہی قاعدے سے اہل علم کا نفقہ تمام مسلمانوں کے ذمہ ہے ان کو
خود اُن کی خدمت کرنا چاہیئے۔ اگر ہم اہل قرآن کی خدمت نہ کرینگے تو اس سے یہ سمجھا
جائے گا کہ ہمارے نزدیک تعلیم وتعلم قرآن کی کچھ وقعت بھی نہیں حالانکہ اوس حدیث
میں اسکی فضیلت صاف موجود ہے کہ قرآن کی تعلیم وتعلم میں جو لوگ مشغول ہیں وہ سب سے
افضل ہیں اگر کوئی کہے کہ حدیث پر ہمارا تو اعتقاد ہے تو خوب سمجھ لو جب اسپر عمل نہیں اور
جس اعتقاد کے موافق عمل نہ ہو وہ اعتقاد ناتمام ہے تو وہ اعتقاد بھی ناتمام ہوگا اور یہ جو
بہت لوگ سمجھے ہوئے ہیں کہ علوم اعتقادیہ سے صرف علم مقصود ہے کہ بس اس بات کا
عقیدہ دلمیں رکھو عمل چاہے کیسا ہی ہو یہ بالکل غلط ہے عقائد سے مقصود علم تو ہے ہی
مگر اسکے ساتھ ہی یہ بھی مقصود ہے کہ عقیدہ کے ذریعہ سے عمل میں خلوص وکمال پیدا ہو
اور یہ بہت موٹی بات ہے غور کیجئے کہ اگر کوئی شخص آپ سے یہ کہے کہ یہ آدمی جو سامنے
آرہا ہے۔ بادشاہ وقت ہے تو اسکا مطلب کیا ہوتا ہے کیا اسکا صرف یہی مطلب ہوتا ہے
کہ بس اسکو دلمیں بادشاہ سمجھ لو یا یہ مطلب ہوتا ہے کہ عملاً اسکی تعظیم وتکریم بھی بجالانا

سلطنت بھی دوگے تو نہ لونگا اگر تم قرآن سننے سے پہلے دیتے تو میں قبول کر لیتا۔ باقی اسوقت
لینا تو سراسر قرآن کو بیچنا ہے۔ بعض رئیسوں کو خدمت کرنیکا شوق تو ہوتا ہے مگر خدمت کا طریقہ
نہیں آتا پس اہل اللہ کو دین کی غیرت ایسی ہی ہونی چاہیئے جیسی ان قاری صاحب کو غیرت
تھی اور دین کی غیرت کا پورا خیال رکھنا چاہیئے مگر یہ کب ہوگا یہ جبھی ہو سکتا ہے جبکہ دونوں طرف
سے خیال ہو۔ علماء استغناء سے رہیں اور عام لوگ انکی خدمت خود کرتے رہیں ورنہ یہ حاجت
ایسی چیز ہے کہ کبھی نہ کبھی اُبلکر رہتی ہے جسمیں آدمی بعض اوقات بے اختیار ہو جاتا ہے۔ اسپر
ایک حکایت یاد آئی۔ ایک رئیس نے ایک باورچی ملازم رکھا تھا جسکی خشک تنخواہ مقرر کی باورچی
خشک تنخواہ پر بہت کم رہتے ہیں مگر اس نے یہ خیال کر کے منظور کر لی کہ آخر تھوڑا بہت کھانا
تو بچے ہی گا میں اسی میں گذر کر لونگا۔ اب اسنے کھانا پکایا تو اول تو اسکو سامان ہی اتنا ملا جو
بالکل نپا تلا تھا پھر وہ کھانا سامنے لایا تو یہ خیال کیا کہ ایک دو روٹی تو بچے ہی گی۔ ایسا بھی کیا ہے
کہ سارے کا صفایا کر دینگے رئیس نے کھانا شروع کیا اور باورچی نے روٹیاں گننی شروع کیں۔
اوس اللہ کے بندے نے سب ہی ختم کر دیں اس نے سوچا کہ سالن بچ گیا ہے میں اسی کو پیکر
سہارا کر لونگا۔ رئیس نے سالن کا برتن بھی صاف کرنا شروع کر دیا۔ اس میں کچھ بوٹیاں اور ایک
ہڈی تھی باورچی نے خیال کیا کہ ایک آدھ بوٹی تو بچے گی وہ بھی ختم ہوئی تو سوچا کہ خیر ہڈی ہی چوس
لونگا مگر رئیس نے ہڈی بھی چوسنے کو اٹھائی۔

اب تو باورچی سے نہ رہا گیا بیساختہ بڑی زور سے منہ سے نکلا کہ ہائے ہڈی بھی چوس
لی رئیس چونک اٹھا کہ کیا بات ہوئی معلوم ہوا کہ یہ حضرت بڑی دیر سے ایک مراقبہ میں ہیں۔ تو
دیکھیئے اوس باورچی سے صبر کرتے کرتے آخر نہ رہا گیا۔ احتیاج اُبل ہی پڑی یہی حال ہر
ضرورتمند کا ہے جب آدمی صبر کرتے کرتے تھک جاتا ہے تو احتیاج زبان پر آ ہی جاتی ہے۔
البتہ کوئی بڑا ولی کامل ہو جسکو توکل کی پوری قوت نصیب ہو وہ ہرگز اپنی احتیاج کسی پر ظاہر
نہیں کر سکتا مگر سب کا فرشتہ ہونا بھی تو مشکل ہے۔ جب سارے طلبہ و علماء فرشتے نہیں بنسکتے
تو علماء کی شان استغنا جبھی باقی رہ سکتی ہے جبکہ آپ بھی تو انکا خیال رکھیں اور آپکے ذمہ اُنکی
خدمت ضروری بھی ہے کیونکہ وہ آپ ہی کے کام مین لگے ہوئے ہیں دین کی حفاظت سب

صفت پیدا ہوگی قاعدہ ہے کہ مصیبت کا علم جب پہلے سے ہوجاتا ہے تو وہ ہلکی ہوجاتی ہے
پس اجمالاً ہر مصیبت سے متعلق ہم کو یہ معلوم ہوگیا ہے کہ جو کچھ ہوگا تقدیر سے ہوگا اس سے
بہت تسلی ہوجاتی ہے اگر تقدیر کا اعتقاد نہ ہو تو بڑی پریشانی ہوتی ہے کہ ہائے ہم نے یہ تدبیر کیوں کی
وہ تدبیر کیوں نہ کی اور جب تقدیر کا اعتقاد ہوتا ہے تو دل میں یہ مضمون پیدا ہوجاتا ہے کہ چاہے
کچھ ہی تدبیر کرتے یہ واقعہ تو ہونا ہی تھا مقدر یوں ہی تھا اسیطرح اتراتا وہ ہے جس نے
راحت و خوشی کا سامان اپنے آپ پیدا کیا ہو اور جب یہ عقیدہ ہوگا کہ جو کچھ ملتا ہے مقدر
سے ملتا ہے تو نہ خود اتراویگا اور نہ دوسرونکو حقیر سمجھے گا جان لیگا کہ میرے پاس جتنی نعمتیں
ہیں ان میں کچھ میرا کمال نہیں تقدیر ہی سے ملا ہے جو کچھ ملا اور جس کے پاس نہیں ہے
اوس کی تقدیر میں یہی لکھا تھا پس نہ مین صاحب کمال ہوں نہ وہ ناقص ہے پھر ناز و تکبر
کاہے کا یہ تو آیت کا مطلب ہوا۔ مجھکو بتلانا یہ ہے کہ اس آیت مین حق تعالے نے مسئلہ
تقدیر بیان فرماکر اسکے ذکر کی علت یہ تبلائی ہے لکیلا تأسوا ولا تفرحوا الخ اس سے
صاف معلوم ہوا کہ عقائد سے مقصود صرف اعتقاد ہی نہیں۔ بلکہ اونکے ذریعہ سے عمل کی
تکمیل بھی مقصود ہے اس میں لوگ بہت دہوکہ کھائے ہوئے ہیں اکثر لوگ عقائد کو
عمل کے لئے مقصود نہیں سمجھتے بلکہ یہ سمجھتے ہیں کہ عقائد صرف جاننے ہی کے لئے ہیں۔
اس آیت سے اونکی غلطی معلوم ہوگئی پس اگر ہم اہل قرآن کی خدمت نہ کرینگے تو اسکا مطلب
یہ ہوگا کہ ہم کو اس حدیث پر ناتمام اعتقاد ہے اور ابتک ہمارے عقیدے بھی درست
نہیں ورنہ اسکی کیا وجہ کہ عقیدہ کے موافق ہمارے اعمال نہیں ہیں اس حدیث سے ایک
تو یہ مسئلہ مستنبط ہوا تھا کہ اہل قرآن کو سب سے افضل سمجھنا چاہیئے ایک دوسرا جز یہ بھی مستنبط
ہوا کہ تعلیم و تعلم قرآن تمام اعمال سے افضل ہے کیونکہ عامل کا افضل ہونا بوجہ عمل کی فضیلت
کے ہے۔ چنانچہ ایک جگہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے کنتم خیر امۃٍ اخرجت للناس تامرون
بالمعروف وتنھون عن المنکر وتؤمنون باللہ۔ تم بہترین امت ہو جو لوگوں (کی ہدایت) کیلئے
ظاہر کی گئی تم نیک کاموں کا حکم کرتے بُرے کاموں سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان لاتے
ہو اس میں حق تعالے نے خیر امت ہونے کی علت تامرون بالمعروف الخ بیان فرمائی ہے

چاہیئے۔ چنانچہ اگر وہ شخص بادشاہ کے قریب پہنچکر اُسے سلام بھی نکرے نہ ادب وتعظیم ظاہر کرے تو دوسرا شخص جھلا کر کہتا ہے کہ تو بڑا احمق ہے تجھکو معلوم ہو گیا تہا کہ یہ بادشاہ ہے اور پھر تونے اُس کی تعظیم نہ کی۔ معلوم ہوا کہ علوم اعتقادیہ سے عمل بھی مقصود ہوتا ہے اگر عمل اعتقاد کے موافق نہو تو عرفاً یہی سمجہا جاتا ہے کہ اس شخص کو یہ بات گویا معلوم ہی نہیں۔ اسی طرح شریعت میں بھی عقائد کا صرف جان لینا مقصود نہیں بلکہ اُن کے ذریعہ سے عمل کی تکمیل بھی مقصود ہے کیونکہ اعتقاد کو تکمیل عمل میں بہت دخل ہے پس اگر کسی بات کا اعتقاد ہوا اور عمل اس کے موافق نہ ہو تو یقیناً اعتقاد ہی ناتمام ہے اور حکم ہے تکمیل دین کا اس لئے یہ ضرور ہے کہ اعتقاد کی موافقت عمل سے بھی ہو۔ اور اس مسئلہ کی دلیل میرے پاس قرآن سے ہے حق تعالے فرماتے ہیں ما اصاب من مصیبۃ فی الارض ولا فی انفسکم الا فی کتاب من قبل ان نبراھا ان ذلک علی اللہ یسیر لکیلا تأسوا علے ما فاتکم ولا تفرحوا بما آتاکم واللہ لا یحب کل مختال فخور ترجمہ یہ ہے کہ کوئی مصیبت نہ دُنیا میں آتی ہے اور نہ خاص تمہاری جانوں میں مگر وہ (سب) ایک کتاب (یعنی لوح محفوظ) میں لکھی ہوئی ہیں اُن جانوں کے پیدا کرنے سے پہلے ہی اسمیں مسئلہ تقدیر کی تعلیم دی گئی ہے کہ جو کچھ مصائب داخلی وخارجی آتی ہیں وہ سب پہلے سے مقدر ہیں اور لوح محفوظ میں تمہارے پیدا ہونے سے پہلے ہی لکھدی گئی ہیں آگے فرماتے ہیں ان ذلک علی اللہ یسیر اور یہ اللہ کے نزدیک آسان کام ہے اسمیں اپنے علم محیط کی طرف اشارہ فرمایا کہ یہ کام اسلئے دشوار نہیں کہ ہمارا علم محیط ہے ہم کو پہلے ہی سے سب کچھ معلوم تھا آگے فرماتے ہیں لکیلا تأسوا الخ اسمیں لام کے ہے جو علت پر داخل ہوتا ہے تو یہ علت کس چیز کی ہے اور لام کا متعلق یہاں کیا ہے سو بات یہ ہے کہ اسکا متعلق محذوف ہے تقدیر یہ ہے کتبنا ذلک واخبرنا کم بہٖ لکیلا تأسوا الخ کہ ہم نے تم کو اسکی خبر اسلئے کر دی ہے تاکہ اگر کوئی چیز تم سے جاتی رہے تو تم اسپر رنج نہ کرو (یعنی اتنا رنج نہ کرو جو آخرت کے کاموں سے تم کو روکدے طبعی رنج کا مضائقہ نہیں) اور جو چیز تم کو عطا ہوئی ہے اسپر اتراؤ نہیں کیونکہ جب یہ معلوم ہو گیا کہ جو کچھ راحت ورنج پہنچتا ہے پہلے سے سب مقدر ہے تو اب نہ زیادہ رنج ہوگا اور نہ تکبر ونازکی

کا یہ حال ہوگا تو خود اسکے لئے یہ فضیلت بدرجۂ اولیٰ ثابت ہوئی چنانچہ اوسی حدیث مین یہ بھی ہی
اس سے معلوم ہوا کہ قرآن کے ساتھ تاج کو کچھ خصوصیت ہے اور عمامہ بھی تاج ہے اسلئے
اشارۃً اس عمل کا مستحسن ہونا حدیث سے بھی ثابت ہوگیا اور طبرانی کی ایک روایت تو اس مضمون
مین بہت ہی صریح ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کسی کو حاکم بناتے تو اسکے سر پر اپنے
ہاتھ سے عمامہ باندھ دیا کرتے تھے اھ اور ظاہر ہے کہ حافظ و عالم بھی قوم کا مقتدا ہونیکی
وجہ سے حاکم کے مثل ہے تو سند فراغ کے ساتھ اُنکی دستار بندی بھی اس حدیث کیموافق
ہے مگر چونکہ مجھے اس حدیث کی سند کا حال معلوم نہیں اسلیئے مین نے اسکو سب کے بعد مین
بیان کیا اگر یہ حدیث صحیح ہو تب تو دلیل اس فعل کے مقبول ہونے کی بہت صریح ہے اور
اگر صحیح نہ ہو تو گذشتہ دلائل بھی مدعیٰ کے اثبات میں کافی ہیں غرض یہ عمل خلاف سنت نہیں
ہے یہ مختصر بیان اسوقت کافی ہے اب لڑکوں کو بلاکر دستار بندی کردیجاے اور اس وعظ
کا نام میں التعمیم لتعلیم القرآن الکریم رکھتا ہون اسمیں لام صلہ کا بھی ہوسکتا ہی معنے یہ ہونگے
کہ تعلیم قرآن کے عام کرنے کا بیان اور لام اجلیہ بھی ہوسکتا ہے اس صورت مین معنے یہ ہونگے
کہ تعلیم قرآن کی وجہ سے دستار بندی کا بیان۔ اسکے بعد دستار بندی شروع ہوئی اور
حضرت حکیم الامت نے اپنے ہاتھ سے سب طلبہ کے سروں پر عمامے باندھے پھر دعا پر جلسہ
ختم ہوا۔ وآخر دعونا ان الحمد للہ رب العالمین وصلی اللہ علی سیدنا محمد وعلی آلہ
وصحبہٖ اجمعین +

جو کہ بہت سے اعمال خیر کو مشتمل ہے معلوم ہوا کہ افضلیت ذات کا مدار اعمال کی فضیلت پر ہے ایک مقدمہ یہ ہوا اسکے ساتھ ایک اور مقدمہ بھی سنئے حق تعالےٰ فرماتے ہیں ولتکن منکم امۃ یدعون الی الخیر و یامرون بالمعروف وینھون عن المنکر۔ اور (اے مسلمانو!) تمہارے اندر ایک جماعت ایسی بھی ضرور ہونی چاہیئے جو خیر کی طرف (لوگونکو) ترغیب دیں اور نیک کاموں کا حکم کریں الخ اس میں اعمال خیر کی طرف رغبت دلانے اور دعوت دینے کا امر ہے اور امر وجوب کے لئے ہوتا ہے پس ایسی ایک جماعت کا ہونا واجب ہے جو اعمال خیر کی ترغیب دیں اور تعلیم و تعلم قرآن کا خیر الاعمال ہونا ثابت ہوچکا تو اسکی ترغیب دینا بھی ضروری ٹھہرا اور ترغیب کی دو صورتیں ہیں ایک تو انکی اعانت کرنا انکی خدمت کرنا انکی عزت و عظمت کرنا اور ایک طریقہ وہ ہے جو بزرگوں نے اختیار کیا ہے کہ جو شخص قرآن سے فارغ ہو اس کی دستار بندی کیجائے اس سے بھی فارغین کو مسرت ہونے کے سبب تعلم قرآن کیطرف اور اونکے سرپرستوں کو تعلیم قرآن کی طرف بہت رغبت ہوتی ہے اور تعلم کا سبب نبجانا یہ بھی تعلیم کا ایک مصداق ہے پس یہ عمل خلاف سنت نہیں ہے کیونکہ اعمال خیر کی طرف رغبت دلانے کا نص میں حکم وارد ہے اور یہ بھی اسباب رغبت مین سے ہے پس صراحۃً تو نہیں مگر دلالۃً یہ بھی نص سے ثابت ہوا۔ غرض اس دستار بندی سے خود لڑکوں کو بھی رغبت ہوتی ہے کہ اگر اچھی طرح یاد کریں گے۔ تو ہماری دستار بندی ہوگی۔ نیز والدین کو بھی اس سے خوشی ہوتی ہے نیز اگر لڑکون میں صلاحیت ہوئی تو ان کو خیال ہوگا کہ اب ہم بڑے بنا دیئے گئے۔ اب ہم کو تقوی طہارت اختیار کرنا چاہیئے۔ یہ تو قرآن سے دستار بندی کا ثبوت اور اسکی فضیلت معلوم ہوئی اب احادیث سے بھی اُسکا ثبوت بیان کرتا ہوں۔ ایک حدیث میں ہے کہ جو شخص ظہر قلب سے قرآن پڑھے (اس سے حافظ کے عمل کی تائید ہوتی ہے کیونکہ وہ اکثر تلاوت قرآن بدون دیکھے ہوئے کیا کرتے ہیں معلوم ہوا کہ یہ عمل عنداللہ مقبول ہے) تو اوسکے والدین کو قیامت میں ایسا تاج پہنایا جائیگا جسکی روشنی کے سامنے چاند و سورج بھی ماند پڑ جائینگے یہ حدیث صحاح میں موجود ہے اور گو اس میں حافظ کے لئے کسی بات کی تصریح نہیں بلکہ اوسکے والدین کا اجر مذکور ہے مگر جب حافظ کی بدولت والدین

الہادی

ھا

دینیات کا ماہواری رسالہ جسمین شریعت و طریقت کے متعلق جامع شریعت و طریقت واقف اسرار حقیقت حضرت حکیم الامۃ مولنا شاہ محمد اشرف علی صاحب تھانوی مدظلہم العالی کے علوم عقلیہ و نقلیہ کا بیش بہا ذخیرہ جو ہر طبقہ کو نہایت مفید ہی جمادی الاول ۱۳۴۳ھ سے جاری ہوا ہی جسمین بالفعل حسب ذیل مضامین ہوتے ہیں اور آیندہ بھی انشاء اللہ مفید مضامین ہوا کرینگے

التادیب و التہذیب ترجمہ ترغیب و ترہیب جسمین احادیث سے اعمال کی فضیلت اور گناہوں کی مذمت مفصل بیان کیگئی ہی جسکو پڑھکر ہر انسان کا دل طاعت کیجانب مائل ہوجاتا ہی اور گناہوں کو چھوڑنیکی توفیق ہوتی ہی۔

تسہیل المواعظ. یہ حضرت مولنا مدظلہم کے مواعظ کی تسہیل ہی بعض حضرات نیز عورتیں حضرت مولنا مدظلہم کے وعظ بوجہ عالمانہ مضامین ہونیکے سمجھہ نہین سکتے تھی اسواسطے اونکی اسقدر تسہیل کردی ہی کہ اب ہر شخص بخوبی سمجھہ سکتا ہے

المصالح العقلیہ جلد دوم اسکی کیفیت جلد اول کی دیکھنے والونپر ظاہر ہی کیونکہ جلد اول کتابی صورتمیں طبع ہوئی ہے اسمیں احکام شرعیہ کی حکمتیں بیان فرمائی ہیں اسکا مطالعہ تمام مسلمانونکو عموماً اور نو تعلیمیافتہ حضرات کو خصوصاً نہایت مفید ہی

کلید مثنوی شرح مثنوی مولنا روم اسکے بھی تین دفتر کتابی صورتمیں طبع ہوچکے ہیں اور باقی دفتر رسالہ ہذا میں شائع ہورہے ہیں اسکے متعلق تو کچھہ عرض کرنے ہی کی حاجت نہین جو حصے اسکے چھپ چکی ہیں وہ اسکی شان ظاہر کرنیکیلئے کافی ہیں

التشرف بمعرفۃ احادیث التصوف اسمین حضرت مولنا مدظلہم نے ان احادیث کی تحقیق فرمائی ہی جو کلام صوفیہ وکتب تصوف مین مذکور ہیں اور انکو علماء ظاہر بوجہ لاعلمی موضوع کہدیتے ہیں یہ مضمون نہایت شاندار ہی احقر کی خوش قسمتی ہی کہ الہادی کیواسطے حضرت والا نے اسکا ترجمہ بھی فرمادیا ہی تاکہ اردو خواں حضرات اس سے بھی فائدہ اٹھا سکیں

امیر الروایات فی جبیب الحکایات. اسمیں اکابر سلسلہ یعنی خاندان حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رح مثلاً شاہ صاحب رح و مولنا شہید رح و مولنا شاہ اسحق صاحب رح و مولانا مظفر صاحب رح و مولنا محمد یعقوب صاحب رح وغیرہم کی حکایات ہیں اور ان حکایات پر حضرت مولنا تھانوی مدظلہم نے حواشی مفید تحریر فرمائے ہیں یہ مضمون بھی نہایت مفید ہے باوجود ان خوبیوں کے قیمت سالانہ دو روپے آٹھ آنے اور بصورت وی۔ پی دو روپے بارہ آنہ کا پڑتا ہی۔

المشتہر

محمد عثمان مدیر رسالہ الہادی دہلی پوسٹ بکس نمبر ایک

1 1919